

عالمِ اسلام

اُردُن اور فلسطین کا المیہ

اور اس کا پس منظر

پیشخبہ از جناب نلیل حامدی صاحب پیشخبہ

فلسطین کا مسئلہ اب نئے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔ اب تک جو فریق اس مسئلہ سے وابستہ تھے اُن میں ایک نئے فریق کا اضافہ ہو گیا ہے یعنی فدائین۔ گویا اس مسئلے کے اصل فریق فلسطین کے باشندے تھے مگر دنیا کی بڑی طاقتوں نے اور عرب ممالک کی بعض حکومتوں نے اس اصل فریق کو میدانِ سیاست سے ہٹا رکھا تھا اور اس مسئلے کا حل اپنے منشا کے مطابق کرنا چاہتی تھیں۔ جون ۱۹۴۸ء کی جنگ کے بعد فلسطین کے مہاجرین کو اپنے مسئلے سے براہِ راست نمٹنے کا پہلی مرتبہ موقع ملا ہے اور اب انہوں نے مختلف اسباب کی بنا پر اتنی طاقت حاصل کر لی ہے کہ ان کو نظر انداز کر کے کوئی طاقت اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکتی۔ یہ بلاشبہ ایک نہایت امید افزا اور خوش کن صورتِ حال ہے۔ مگر اب اسرائیل نواز طاقتوں نے، جن میں مغربی بلاک بھی شامل ہے اور مشرقی بلاک بھی، خود فلسطینیوں کو اپنی سازشوں کا شکار بنانا شروع کر دیا ہے۔ اُردُن میں پچھلے عرصہ میں جو خوزیریز منگامے ہوئے ہیں اور شاید آئندہ بھی خوزیریز کی نوعیت آئے وہ اسرائیل نواز طاقتوں کی سازش ہی کا ایک شاخسانہ ہیں۔ پیش نظر تجزیہ کے اندر ان ہنگاموں کے پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ امید ہے کہ اس تجزیہ کے بعد نہ صرف گزشتہ واقعات کو سمجھنے میں مدد ملے گی بلکہ آئندہ مسئلہ فلسطین کے ساتھ جو کچھ کرنے والی ہے اُس کا بھی اندازہ کرنے میں آسانی رہے گی۔

فلسطین کی آزادی کے لیے جو فلسطینی فدائین کی تنظیمیں کام کر رہی ہیں ان کی تعداد بارہ ہے۔ فدائین

کی سیاسی اور عسکری جنگ کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے ان تنظیموں میں سے ہر ایک تنظیم کا الگ الگ تعارف ضروری ہے۔

۱- حركة التحرير الوطني الفلسطيني (فتح)۔ اس کی قیادت یا سرعفات کے ہاتھ میں ہے اور اس کا مقصد فلسطین کی آزادی ہے۔ تنظیم بحیثیت تنظیم کسی غیر فلسطینی طاقت کے زیر اثر نہیں ہے۔ اس میں ہر محبت فکر کے لوگ جمع ہیں۔ ایک قلیل تعداد محبت اسلام عنصر کی بھی ہے چنانچہ اس تنظیم کے زیر اہتمام اسلامی تحریک کے تقریباً ۱۲ نمایاں رہنما چھاپہ مار کارروائیوں کے دوران جام شہادت نوش کر چکے ہیں جن میں صلاح حسن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عاصف فتح ہی کا عسکری بازو ہے۔ یہ کوئی الگ تنظیم نہیں ہے۔

۲- الجبهة الشعبية لتحرير فلسطين (عوامی محاذ برائے آزادی فلسطین)۔ اس تنظیم کا سربراہ ڈاکٹر جارج حبش ہے۔ یہ بڑا معتصب اور دشمن اسلام عیسائی ہے۔ بیروت کی امریکن یونیورسٹی میں اس نے تعلیم پائی ہے۔ عوامی محاذ پاپولر فرنٹ، کی قیادت سے پہلے یہ عرب قوم پرستوں کی تحریک القومیتون العربیہ میں شامل تھا۔ القومیتون العربیہ کی تحریک لبنان اور شام کے عیسائیوں نے قائم کر رکھی ہے۔ بیروت کی امریکن یونیورسٹی اس کا مرکز ہے۔ اور اس کا مقصد لادینیٹ اور قدیم جاہلی تہذیبوں کی بنیاد پر عربوں کو متحد کرنا ہے۔

آدارہ نش اور اخلاقی اور دینی اقدار سے نفرت کرنے والے نوجوان اس تحریک کا اصل سرمایہ ہیں۔ اس تحریک کے اکثر نوجوان ڈاکٹر جارج حبش کی قیادت میں اب پاپولر فرنٹ میں شامل ہو چکے ہیں۔ پہلے وہ امریکہ کے مقاصد کے تحت کام کر رہے تھے اور اب مارکسزم کا لبادہ اوڑھ کر فلسطین کی تحریک آزادی کی روج رواں بنے ہوئے ہیں۔ گو وہ مذہب سے بنیاری کا اظہار کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے اندر صلیبی روج کوٹ کوٹکے بھری ہوئی ہے۔ جارج حبش اور اُس کے ساتھی مارکسزم کے پردے میں عربوں اور مسلمانوں کے اندر نفرت اندازی اور ذہنی آنتہا پیدا کر رہے ہیں۔

پاپولر فرنٹ اور جارج حبش اب کھلم کھلا اپنے آپ کو مارکسزم کا علمبردار کہتے ہیں۔ پاپولر فرنٹ کے سرکاری

۱۵ ہفت روزہ الجمع، کویت، یکم ستمبر، ۱۹۷۰ء

۷۰ ہذا العالم العربی تالیف نبیہ امین فارس صدر شعبہ تاریخ امریکن یونیورسٹی بیروت ص ۱۹۷ تا ۲۰۴۔

پاپولر فرنٹ خالصتہ مائکسی تحریک کا دعویٰ کرتا ہے۔ چنانچہ فرنٹ کے فوجوان علانیہ مذہب کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بیروت کے اخبارات موافق اور لطیفی اور الھدث، قاہرہ کا اخبار الطلیعہ، عراق کا اخبار الثقافتہ الحمیدیۃ اور شام کا اخبار العرفۃ، یہ سب پاپولر فرنٹ کے نظریات کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اخبارات ہر شمارے میں مذہبی اقدار پر شدید حملے کرتے رہتے ہیں۔ الھدث کے ۱۲ جوں کے شمارے میں "حال الدنیا" کے عنوان سے تو فنی زیادہ کا ایک افسانہ شائع ہوا ہے جس میں قرآن کے اس بیان کا تمسخر اٹایا گیا ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان کو چھ روز میں پیدا کیا۔ اور افسانے کی کہانی سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایک درزی مولوی صاحب کا جُتہ تین مہینے میں نہیں سی سکتا تو "اللہ" نے چھ روز میں کیسے زمین و آسمان کھڑے کر دیئے۔ مولوی کی زبان سے حضرت ابوذر کو سب سے بُرا شیطان کہا گیا ہے (فضل کفر کفر نباشد - نعوذ باللہ من ذلک الف مرة)۔ اسی طرح تفسیر اور حدیث کی تمام کتابوں کا نام لے لے کر ان کی تضحیک کی گئی ہے۔

عوامی محاذ شروع میں ایک ہی قیادت کی نگرانی میں تھا، مگر بعد میں اس میں پھوٹ پڑ گئی اور دو نئے محاذ الگ الگ قیادتوں کے تحت وجود میں آگئے جن کی تفصیل یہ ہے:

۳۔ الجبهة الشعبیۃ الديمقراطية (ڈیموکریٹک پاپولر فرنٹ)۔ اس کا قائد بھی ایک عیسائی ہے جس کا نام ہے نائف حواتمہ۔ اس کے مقاصد اور طریق کار بھی وہی ہیں جن کا علمبردار جارج حبش ہے۔ مفادات کے اختلاف کی وجہ سے یہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ہیں۔

۴۔ الجبهة الشعبیۃ لتحرير فلسطين (پاپولر فرنٹ برائے آزادی فلسطین) یہ محاذ بھی جارج حبش سے الگ ہونے والوں پر مشتمل ہے۔ اس کا سربراہ احمد جبریل ہے۔ یہ شخص روس نواز کمیونسٹ ہے۔ مصر اور شام کے اتحاد کے زمانے میں شامی فوج میں تھا اور اسرائیل کی جاسوسی کے الزام میں اسے فوج سے نکال دیا گیا تھا۔ اب وہ فدائین کا نمایاں لیڈر بنا ہوا ہے۔ اس فرنٹ کے تحت ایک عسکرئی تنظیم بھی ہے جسے "ہائی کمان" کہا جاتا ہے۔

۵۔ قوات الانصار (الانصار فورسز)۔ یہ تنظیم مکمل طور پر کمیونسٹوں کے ہاتھ میں ہے۔ عراق، شام، لبنان، اردن اور فلسطین کے کمیونسٹ اس میں جمع ہیں۔ یہ تنظیم اپنے حامیوں میں سے ہر فرد کو ۲۵ اردنی

وینارمانہ اندا دیتی ہے۔ اور یوں پیسے کے بل بوتے پر کم عمر نوجوانوں کو استعمال کرتی ہے۔

۶۔ قوات التحریر الشعبیة (لبریشن میڈیٹورس)۔ اس تنظیم پر بھی کمیونسٹوں کا قبضہ ہے۔ حبشہ التحریر
افلسطینی (آزادی فلسطین کی فوج) کے نام سے اس نے اپنا فوجی نظام قائم کر رکھا ہے۔

۷۔ صاعقہ فلسطینیوں کی تنظیم شام کی بعث پارٹی کی پروردہ ہے۔ اور یغیبیوں اور قوم پرستوں پر مشتمل
ہے اور شامی حکومت کے اشاروں پر اپنا نقشہ عمل تیار کرتی ہے۔ طلائع حرب التحریر الشعبیة (عوامی جنگ
آزادی کے دستے) کے نام سے اس کی ایک فوجی تنظیم بھی ہے۔ جمیعان اور یاسر عمر اس کے سربراہ ہیں۔ شام کا
سابق وزیر اعظم یوسف زعین اس کا سرپرست ہے۔

۸۔ منظمة فلسطین العربیة (فلسطین عرب آرگنائزیشن)۔ یہ عراق کی سکران پارٹی کی کٹھنچی تنظیم ہے
اور عراقی حکومت کے مقاصد کے تحت کام کرتی ہے۔

۹۔ الھیئة العاملة لتحریر فلسطین (ورکنگ باڈی برائے آزادی فلسطین)۔ یہ تنظیم مصر کے تابع ہے
ڈاکٹر عصام صرطاوی اس کا سربراہ ہے۔

۱۰۔ جبهة التحریر العربیة (عرب محاذ آزادی)۔ یہ تنظیم بھی مصر کی آلہ کار ہے۔

۱۱۔ جبهة النضال الشعبیة الفلستینیة (عوامی جنگی محاذ)۔ اس محاذ کے بارے میں کہا جاتا ہے
کہ اسے اسرائیل کی بعض پارٹیوں کی حمایت اور تائید حاصل ہے۔

۱۲۔ الجبهة الشعبیة (عوامی محاذ)۔ اس کا سربراہ احمد زعور ہے۔

ان تمام تنظیموں پر آپ نظر ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ فتح کے سوا تقریباً تمام تنظیمیں بیرونی
طاقتوں کی کٹھنچی ہیں، تقریباً تمام تنظیمیں نظر باقی لحاظ سے اشتراکیت اور قومیت کی علمبردار ہیں اور یہ انہیں باہر
سے تعلق رکھتی ہیں، اور یہ تنظیم کے اندر کمیونسٹ عنصر گھسا ہوا ہے۔ خود فتح کے اندر بھی اکثریت بائیں بازو سے
تعلق رکھتی ہے اور مارکس اور ماؤ کے افکار کی حامی ہے۔

فدائیسین نے پچھلے دنوں اردوں کے اندر جو منہگامے برپا کیے ہیں، وہ محض اتفاقی حادثہ نہ تھے بلکہ ۱۹۷۰ء
کا سال طلوع ہونے ہی اس نقشہ عظیم کے جھرک اٹھنے کی پیشین گوئی کر دی گئی تھی۔ خود یاسر عرفات ۱۹۷۰ء کو

”آزمائش کا سال“ کہہ چکے تھے۔ بلکہ اسرائیلی اخبارات نے تو راجرز پلان کے فوراً بعد یہ کھنا شروع کر دیا تھا کہ اصل اہمیت ان کارروائیوں کی نہیں ہے جن کا تعلق راجرز پلان سے ہے، بلکہ اصل اہمیت ان حالات کی ہے جو راجرز پلان کے نتیجے میں دینا تے عرب کے اندر واقع ہوں گے۔ دوسرے لفظوں میں ان خصوصی حالات کو جنم دینے کا منصوبہ پہلے سے تیار کیا گیا تھا اور یہ کہنا غلط ہے کہ المیہ اردن کا تعلق اس بات سے ہے کہ شاہ حسین نے راجرز پلان کو تسلیم کر لیا تھا اور فدائین نے اُسے قبول نہیں کیا۔ اب ایک نظر اس منصوبہ پر ڈالیے جو فدائین اور شاہ حسین کی باہمی جنگ کے پس پردہ کارفرما تھا اور شاید آئندہ بھی اُسے دوبارہ رُو لعل لایا جائے۔

راجرز منصوبہ کے تحت بظاہر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اسرائیل جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں حاصل کردہ علاقوں کو خالی کر دے گا۔ مگر کیا اسرائیل ان علاقوں کو خالی کرنے کے بعد اُسے عربوں کے حوالے کر دینگا؟ اور کیا بڑی طاقتیں (امریکہ اور روس) یہ گوارا کر لیں گی کہ یہ علاقے واپس عربوں کو مل جائیں؟ ان سوالوں کا جواب ہفت روزہ الحجید، بیروت کے نامہ نگار مقیم نیویارک کے مندرجہ ذیل مراسلے میں دیکھا جا سکتا ہے:

”روسی ذرائع کے مطابق ماسکو نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ماسکو و واشنگٹن کے ساتھ مل کر ان عرب علاقوں میں مشترکہ فوجیں بھیجنے کے لیے تیار ہے جنہیں عربوں اور اسرائیل کے درمیان غیر مسلح اور غیر جانبدار علاقے قرار دیا جائے گا تاکہ اسرائیل کی سرحدیں دو بڑی طاقتوں کی حفاظت میں ہر لحاظ سے پُر امن رہیں۔ روسی نمائندوں نے دو طاقتی مذاکرات کے دوران امریکی حکومت پر یہ واضح کر دیا تھا کہ روس اس بات کے لیے تیار ہے کہ اُس نے عربوں کے ساتھ جو وعدے کر رکھے ہیں ان کی شدت کے ساتھ پابندی نہ کرے۔ خاص طور پر یہ وعدہ کہ اسرائیل کو جون ۱۹۶۷ء سے پہلے کی سرحدوں پر واپس لایا جائے۔ اب روسی نمائندوں

لے بحوالہ روزنامہ الحیاء، بیروت شمارہ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۰ء۔

نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ”پُر امن سرحدوں“ سے مراد وہی سرحدیں ہیں جن کا تقاضا نئے حالات کرتے ہیں۔ چنانچہ جولان کی پہاڑیاں جو اسرائیل کے امن کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتی ہیں غیر مسلح علاقہ ہوں گی۔ اسی طرح وہ تمام علاقے جن کا تحفظ فوجوں سے نہ ہو سکے گا غیر مسلح قرار دیئے جائیں گے۔ سیویز میں اور ضلع عقبہ میں اسرائیل کے لیے جہاز رانی کی آزادی کی ضمانت دی جائیگی۔ امریکی اور روسی فوجیں جو ان علاقوں میں متعین کی جائیں گی انہیں یوتھانٹ کی قیادت میں دیا جائے گا۔ اور یوتھانٹ کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ ان علاقوں کا تعین کر دے جنہیں غیر مسلح کر دیا جائے یا بین الاقوامی نگرانی میں دے دیا جائے۔

اور جب بین الاقوامی طور پر ”پُر امن حدود“ کا تعین ہو جائے گا تو اس کے بعد ایک فلسطینی ریاست وجود میں لائی جائے گی جس میں تمام فلسطینی مہاجرین جمع ہو جائیں گے۔ یہ فلسطینی ریاست دریائے اردن کے مغربی کنارے، اور اردن کے بعض علاقوں اور شام کے بعض شمالی علاقوں پر مشتمل ہوگی۔ اس ریاست کو غیر مسلح رکھا جائے گا اور اسے اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں دیا جائے گا یہاں تک کہ یہ نرتھی کی منزل میں طے نہ کرے۔

یعنی اسرائیل جو علاقے خالی کرے گا انہیں غیر مسلح قرار دے کر ان میں سے بعض علاقوں میں ایک ”فلسطینی ریاست“ قائم کی جائے گی۔ یہ تھا اصل منصوبہ۔ اس کے ساتھ ہی سوال یہ پیدا ہوا کہ اس مجوزہ فلسطینی ریاست کی سربراہی فلسطینیوں کے کس گروہ کے ہاتھ میں ہوگی؟ فتح کی تنظیم اور یا سرعفات کی قیادت اسرائیل، امریکہ اور روس تینوں کے نقطہ نظر سے موزوں نہیں ہے، کیونکہ فتح کے اندر اسلام پسندوں کا ایک مضبوط گروہ موجود ہے۔ اسرائیل فتح کو مذہب پسند تنظیم سمجھتا ہے۔ اسرائیل کے اخبار ریڈوٹلم پوسٹ کے الفاظ

۱۔ یہ اشارہ بیت المقدس کی طرف ہے جسے اسرائیل، امریکہ اور روس تینوں میں الاقوامی گزنی میں دینا چاہئے ہیں

۲۔ ملاحظہ ہو ہفت روزہ الحدید، بیروت، شمارہ ۵، اکتوبر ۱۹۷۰ء۔

۳۔ المفتح، کویت، یکم ستمبر ۱۹۷۰ء

یہ ہیں :

”فتح کا لفظ قرآن سے ماخوذ ہے اور اس کا مطلب ہے تکلیف اور تنگی کے بعد نصرت اور کثادگی مثلاً قرآن کے اندر وارد ہے کہ ”نصر من اللہ وفتح قریب“ یہ تنظیم مذہبی احساسات اور جذبات سے مربوط ہے۔“

فتح کا ایک تصور یہ بھی ہے، جس کی وجہ سے اس کو ناپسند کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر فنی نقائص کے باوجود کسی بیرونی طاقت سے سودے بازی کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ مگر دوسری طرف یہ فلسطینیوں کی سب سے مقبول ترین تنظیم ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسری تمام تنظیمیں چھوٹے چھوٹے گروہوں پر مشتمل ہیں اور اخباری پروپگنڈے کے سوا آزادی فلسطین کی کوششوں میں عملاً ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ بین الاقوامی کانفرنسوں میں یا سرعفات کی متواتر شرکت نے یا سرعفات کو غیر معمولی شہرت دے دی ہے اور اسے فلسطینی اور غیر فلسطینی عرب اپنا نمائندہ تسلیم کرتے ہیں۔ فتح کی ”یہ آزاد روی“ اور یا سرعفات کی ہر دو لغزیز قیادت نہ اسرائیل کو گوارا ہے اور نہ امریکہ اور روس کو۔ چنانچہ یہ تینوں طاقتیں ایک ایسی قیادت کی تلاش میں تھیں جسے وہ اطمینان کے ساتھ مجوزہ فلسطینی ریاست کی زمام حکومت سونپ سکیں۔

اس کام کے لیے جارج حبش کو منتخب کیا گیا۔ امریکن یونیورسٹی بیروت کا تعلیم یافتہ یہ شخص مغربی بلاک کو بھی منظور ہے اور اشتراکی بلاک کو بھی۔ جارج حبش، نائف حواتمہ، احمد جبریل اور دوسرے لیڈروں کے اندر باہمی اختلافات خواہ کتنے ہی ہوں، ایک چیز ان سب میں مشترک ہے اور وہ ہے عربوں کو ایک دوسرے سے لڑانے کی خواہش۔ چنانچہ جارج حبش اور اس کے پاؤلز فرٹ کو اچھا لگنے کے لیے او فلسطینیوں کے اندر جارج حبش کی قیادت کا سکہ منوانے کے لیے بین الاقوامی سازش کے تحت جو مختلف حربے اختیار کیے گئے ان میں سے ایک حربہ یہ بھی تھا کہ جارج حبش کے گروہ نے مسافر بردار طیاروں کا اغوا شروع کر دیا اور یہ اغوا شدہ طیارے اردن کے اندر اتارے جانے لگے۔ فلسطینی نوجوان جو کیمپوں کی زندگی بسر کر رہے تھے اور استعمار کے خلاف جذبات سے بھرے ہوئے تھے، جارج حبش کی اس نئی چال پر پیش پیش کر اٹھے اور پاؤلز فرٹ کے گوریلوں کو خوب خوب لے کر یروشلم پوسٹ، شمارہ ۱۰، مئی ۱۹۶۸ء، عمالہ کتاب ”جہاد شعب فلسطین“ تالیف صالح مسعود ابو الصیر وزیر خارجہ لیبیا۔

داودی گئی۔ اس طرح قدرتی طور پر فلسطینی فوجوں کی نگاہیں جارج حبش پر گر گئیں اور وہ یا سرعفات کے بیٹے جارج حبش کو فلسطین کا نجات دہندہ سمجھنے لگے۔ تمام عرب ممالک نے طیاروں کے اغوا کی مذمت کی۔ یا سرعفات نے بھی اس حرکت کو ناپسندیدہ قرار دیا۔ مغربی پریس نے طیاروں کے اغوا کی داستانوں کو خوب اُچھالا اور ان گوریلوں کو بڑی اہمیت دی جو طیارے اغوا کر رہے تھے۔ لیلی خالد کو بے مثال ہیرو بنانے کی کوشش کی گئی۔ بڑے بڑے لیے مضامین اس پر لکھے گئے۔ حالانکہ اس لڑکی کی اپنی حیثیت مشکوک ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ یہ لڑکی جو امریکن ریپورٹسٹی بیروت کی تعظیم یافتہ ہے، امریکہ کے ادارہ جاسوسی کی کارکن ہے۔ امریکی اڈا یہودی پریس نے اس کی عظمت اور فدائیت کے جو گون گائے ہیں وہ اس شبہ کو مزید تقویت پہنچاتے ہیں۔ اسرائیل کے مشہور اخبار معارف نے لکھا ہے کہ لیلی خالد بڑی جانباز لڑکی ہے۔ یہ اپنے مشن کو سرانجام دینے کی غیر معمولی طاقت رکھتی ہے۔ اور مشرق اوسط کے مشلے میں مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔ طیاروں کے اغوا پر فلسطین کے فدائین جس قدر خوشی کے شادیانے بجا رہے تھے دنیا کے اندر اسی قدر رائے عامہ ان کے خلاف جذبات کا اظہار کر رہی تھی۔ ان کے بارے میں جن حلقوں کے اندر سمجھداری کے جذبات ابھر رہے تھے وہ بھی ان کی مذمت پر اتر آئے۔

جارج حبش کو فلسطینیوں کا اصل لیڈر بنانے کے لیے عرب ملکوں کے سوشلسٹ اور کمیونسٹ اخبارات نے غیر معمولی کردار ادا کیا ہے۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۷۰ء کو امریکہ، روس اور اسرائیل (اور برطانیہ بھی اس میں شامل ہے) نے جارج حبش کے ذریعہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز کر دیا جو غیر مسلح فلسطینی ریاست کی تشکیل کے لیے ان طاقتوں نے سوچ رکھا تھا۔ امریکہ کے ادارہ جاسوسی کی رپورٹ یہ تھی:

”اُردنی حکومت اور فدائین کا باہمی تصادم دونوں فریقوں کو ڈھال کر رکھ دے گا اور

دونوں فریق پیش نظر منصوبہ کے نفاذ کو نہ روک سکیں گے نیز اردن کو مکمل مایوسی سے دوچار کر دینے کے بعد دوسرے عرب حکمرانوں کی صفوں کے اندر بھی نا اُمیدی پیدا ہو جائے گی۔“

لہ الحیاءہ - ۲۰ ستمبر ۱۹۷۰ء مکہ معارف یکم اکتوبر ۱۹۷۰ء - اس لڑکی کا نازہ زین بیان یہ ہے کہ وہ

کمیونسٹ ہے اور وہ انہیں مانتی ہے اس کے نزدیک حسین اسرائیل سے بھی برا دشمن ہے۔ مکہ بوالعجبیہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء۔

جارج حبش کے پاپولر فرنٹ اور فدائین کی بائیں بازو کی تنظیموں کے اندر یہ نعرہ پھیلا یا گیا کہ "فلسطین کو اگر آزاد کر دیا جاسکتا ہے تو صرف اس طرح کہ پہلے عمان کی حکومت کو ختم کر دیا جائے"۔ یہ نعرہ سوشلسٹ عناصر کی طرف سے پہلے بھی بار بار نکایا جا چکا تھا، مگر اس مرتبہ اسے ہاجزین کے کمپوں اور فدائین کے محاذوں میں پوری قوت کے ساتھ پھیلا یا گیا اور فتح کے سوا ہر تنظیم نے اسے خوب ہموادی بلکہ فتح کے عام کارکن بھی اس نعرے سے مرعوب ہو گئے تھے۔ اس خانہ جنگی کی دلیل یہ پیش کی گئی کہ اردن نے راجرز پلان کو تسلیم کر لیا ہے جبکہ فدائین کی تمام تنظیموں نے بشمول فتح اسے مسترد کر دیا ہے کیونکہ ان تنظیموں کی نگاہ میں سڈہ فلسطین کا اصل مل جنگ ہے اور پرامن حل فلسطین کے خلاف سازش ہے لیکن جب یہ سوال اٹھا کہ مصر نے بھی تو راجرز پلان کو تسلیم کر لیا ہے پھر مصر کے خلاف خانہ جنگی کا اعلان کیوں نہیں ہوتا؟ تو مصر کی حامی تنظیموں نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہم جمال عبدالناصر کی نیادت پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور راجرز پلان کی بھی مخالفت کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جمال عبدالناصر کسی خاص مجبوری کی بنا پر اس حل کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ یہ تنظیمیں شاہ حسین کو یہ رعایت دینے کے لیے تیار نہیں۔

فدائین کی اکثر و بیشتر تنظیمیں عمان میں رہتی ہیں۔ اسرائیل کے خلاف چھاپہ مار کارروائیوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پروڈیگنڈا اور اشتہار بازی ان کی کل کائنات ہے۔ ان کے نوجوان مسلح ہو کر جنگی اڈوں میں کارنامے سرانجام دینے کے بجائے شہروں کے بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں اور دوکانداروں سے چندے وصول کرتے ہیں۔ جارج حبش، نائف حواتمہ اور احمد جبریل اور الانصار فرزند کی شہ پر فدائین کی تنظیموں کے کم سن ارکان نے عمان اور دوسرے شہروں میں ایک سخت ہنگامہ آرائی شروع کر دی۔ دکانوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ لوگوں کے گھروں میں گھس کر انہیں مجبور کیا کہ وہ حسین سے پزیری کا اعلان کریں ورنہ انہیں غداری کے الزام میں تسلیم کر دیا جائے گا۔ جبکہ بعض مقامات پر بالفعل انہوں نے "غداری کے الزام میں کئی افراد کو قتل کر ڈالا۔ جارج حبش اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے اردنی اور فلسطینی کی عصییت بھی بڑھ کاٹی گئی۔ پاپولر فرنٹ اور دوسری تنظیموں کے فوجیان مسجدوں میں گھس جاتے اور ماؤ کی تصاویر مسجدوں کے اندر آویزاں کرتے۔ ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ قرآن کریم کے نسخے انہوں نے زمین پر پھینکے، اسلام کے خلاف نعرے لگائے، اور اشتہار کی انقلاب

۱۔ ماہنامہ فلسطین، بیروت، شمارہ اکتوبر، ۱۹۷۰ء۔ ۲۔ الحیاء، بیروت، ۲۰ ستمبر، ۱۹۷۰ء۔

لانے کے نشہ میں مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو شدید مجروح کیا۔ الغرض اس قدر ملک کے اندر بدامنی ہنگامہ آرائی، لوٹ کھسوٹ، اور دارو گریہ کا بازار گرم کیا گیا کہ یہ محسوس ہونے لگا کہ اردن میں کوئی حکومت موجود نہیں ہے۔ کیونستوں نے بعض شہروں میں سرخ پرچم بھی لہرا دیا اور اردن کے اندر کیونست حکومت کے قیام کے خواب دیکھنے لگے۔

اردن کی فوج اور پولیس نے جو ملک کے اندر شدید انتشار اور بدامنی پر چین بچیں ہو رہی تھی، شاہ حسین کو حالات پر توجہ دلائی۔ ایک فوجی افسر محمد داؤد نے شاہ حسین کے سامنے اپنے جن جذبات کا اظہار کیا، الحیاة بیروت کی رپورٹ کے مطابق وہ یہ ہیں:

ہم پورا ملک لاتعدادی انتشار میں غرق ہے۔ اردن کا شمالی علاقہ فوج کے قبضے سے نکل چکا ہے اور فلسطین، اندلسین کے قبضہ میں نہیں بلکہ انقلاب پسندوں اور مارکسزم کے علمبرداروں کے قبضے میں جا چکا ہے کیونستوں اور شینسٹوں کے گردہ چاروں طرف سے وہاں جمع ہو گئے ہیں اور انہوں نے مارکسزم کا جھنڈا لہرا دیا ہے۔۔۔۔۔ یہ لوگ تمام معاہدوں کو توڑ چکے ہیں اور ازبید، زرقاء، المنرق، جرش اور خود عمان کے ایک حصہ پر اپنی حکومت قائم کر چکے ہیں۔ قانون اور نظام کی عملداری ختم ہو چکی ہے۔ اور اب ہم فوج کے جذبات کو قابو میں رکھنے سے عاجز ہیں۔“

فتح کی تنظیم ابتداءً اس ہنگامہ آرائی کے خلاف تھی۔ مگر جب دوسری تمام تنظیموں نے حالات کو اپنی نشا کے مطابق ڈھال لیا اور زمام کار فتح کے ہاتھ سے نکل گئی تو فتح کے نوجوانوں نے بھی وہی موقف اختیار کر لینے کا فیصلہ کر لیا جو جارج حبش اور احمد جبریل کا تھا۔ یعنی اسرائیل کے خلاف جنگ لڑنے سے پہلے حسین کی حکومت ختم کی جائے۔ اس طرح فتح بھی اسی سازش کا شکار ہو گئی جو بیرونی طاقتوں نے تیار کی تھی۔ کیونستوں نے اپنی معروف تکنیک کے مطابق فتح کے نوجوانوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ہنگاموں کی تمام ذمہ داری فتح پر ڈالتے رہے اور شہروں پر پھر پراپنا لہرتے رہے۔

لہ الحیاة، بیروت، ۲۰ ستمبر، ۱۹۶۰ء۔ ص ۱۵۱ ایضاً

اس موقع پر جمال عبدالناصر کی طرف سے شاہ حسین کو جو پیغام بھیجا گیا وہ قابلِ مطالعہ ہے۔ یہ پیغام مصر کا چیت آف سٹاف محمد صادق لے کر آیا اور اس پر جمال ناصر کے ساتھ ساتھ یسایا کے صدر اور سوڈان کے صدر کے بھی دستخط تھے۔ اس تحریری پیغام کے الفاظ یہ ہیں:

”فلسطین کی تحریک مزاحمت کے شریفانہ کردار کو جماعتی مفادات کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ہم اس بازاری سیاست میں دخل دینے سے گریز کرتے رہے ہیں، لیکن اب ناگزیر ہو گیا ہے کہ حالات کو قابو میں رکھنے کے لیے اچھے عنصر کی مدد کی جاسے۔ ہمارے نزدیک اُردنی قوم اور اردن کے امن اور اردن کی حکومت کی ذمہ دارانہ حیثیت کا بقا ضروری ہے۔ حالیہ ہنگاموں نے مزاحمت کی تحریک ہی کو نقصان نہیں پہنچایا ہے بلکہ پوری عرب قوم کی رسوائی کر دی ہے، عربوں کی شہرت کو خراب کیا ہے اور جنگِ آزادی کے نقائص کو داغدار کیا ہے۔“

اس خط کے صاف معنی یہ تھے کہ ان تینوں عرب سربراہوں کی رائے میں حسین کو فدائین کے خلاف فوری کارروائی کرنی چاہیے اور اچھے عنصر کی مدد کر کے فتنہ پسند عنصر کا قلع قمع کر دینا چاہیے۔ اچھے عنصر سے جمال عبدالناصر اور یسایا اور سوڈان کے سربراہوں کی کیا مراد تھی، یہ معتمہ حل نہیں ہو سکا۔ کیونکہ اگر اس سے مراد اردن کی فوج تھی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس خط کے فوراً بعد یسایا کی طرف سے اردن کی مالی امداد کا سلسلہ کیوں نید کر دیا گیا جو تیس عین اسٹرٹنگ پونڈ سالانہ کی مقدار میں وہ جون ۶۷ء کی جنگ کے بعد سے اردن کو دیتا چلا آ رہا تھا۔ اور اگر اردنی قوم، اردن کے امن اور اردنی حکومت کی ذمہ دارانہ حیثیت کے بقا کا ضامن اردن کی فوج کے سوا کوئی اور اچھا عنصر تھا تو آخر وہ کون تھا؟ بہر حال اب صورتِ معاملہ یہ سامنے آئی کہ ایک طرف مصر، سوڈان اور یسایا کی طرف سے شاہ حسین کو اُن عناصر کی سرکوبی کا مشورہ دیا گیا جو فلسطین کی تحریک مزاحمت کو اپنے جماعتی مفادات کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ دوسری طرف یسایا نے حسین کو مالی امداد دینا بند کر دی، تیسری طرف شام نے اپنے دو فوجی بریگیڈ اردن میں داخل کر دیے اور انہیں اپنی پرودہ تنظیم

لہ الحیاة، بیروت، شمارہ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۰ء

۷۰ ”جہاد شعب فلسطین“ تالیف صالح مسعود البصیر وزیر خارجہ لیبیا، مطبوعہ بیروت، ص ۵۵۵۔

صاعقہ کے تصرف میں لے دیا اور چوغچی طوط عراق کی حکومت نے ۱۲ ہزار عراقی فوج کو جو اسرائیل کے مقابلے کے لیے اردن میں مقیم ہے۔ فدائین کے تصرف میں دینے کا اعلان کر دیا۔ ان تمام کارروائیوں کا نتیجہ قدرتی طور پر یہ نکلنا چاہیے تھا کہ حسین کی فوج اور فدائین دونوں میں شدید تصادم ہو جائے اور دونوں لڑکر اس قدر نڈھال ہو جائیں کہ امریکہ کے ادارہ جاسوسی کے اندازہ کے مطابق امریکہ اور روس کے لیے فلسطین کے خلاف اپنی سازش بروئے کار لانا آسان ہو جائے تمام عرب سربراہ بھی امریکہ اور روس کا اس سازش کے شکار ہو گئے، کیونکہ ایک طرف انہوں نے خود شاہ حسین کو فدائین کی سرکوبی پر اکسایا اور دوسری طرف خود ہی فدائین کی حمایت میں اردن کے خلاف کھڑے ہو گئے کسی دلیل سے بھی اس دورخی پالیسی کو معقول ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

بہر حال دونوں فریقوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اردنی اور فلسطینی کے درمیان نفرت و عصبیت کا لاوا پھٹ پڑا۔ دونوں ایک دوسرے کو اسی طرح اپنا دشمن سمجھنے لگے جس طرح عرب یہودیوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ مغربی پریس نے اس خانہ جنگی کو خوب اچھا لا اور میلانفہ آمیز خبریں شائع کیں اور اس جنگ کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا چاہا۔ برطانیہ کے اخبار نگار حسین نے لکھا کہ ”شاہ حسین کو چاہیے کہ نظام سلطنت بحال کرنے کے لیے فوری اور مؤخر اقدام کریں“ فرانس کے اخبار نوول آبزرویش نے لکھا: تمام ملک کے اندر جنگ پھیل چکی ہے، عمان، بڑیل، نزیوں کا نشانہ بنا ہوا ہے اور سینکڑوں صحافی اس ہول کے اندر گھرے ہوئے ہیں، مگر فدائین کو جو صلے نہ ہارنے چاہئیں، شام کی حکومت نے اپنا ریڈیو اسٹیشن فدائین کے حوالے کر دیا چنانچہ اس جنگ کو بٹھکانے میں شام کے ریڈیو نے غیر معمولی کردار ادا کیا۔ مغربی اخبارات نے شہ مسرخوں سے یہ تجویز لے لی کہ شام نے بعد میں اپنی یہ فوج واپس بلالی۔ اس لیے کہ خود شام کے اندر بھی حکومت کے خلاف انقلاب کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

۳۔ عراقی حکومت نے بھی بعد میں عراقی فوج کو احکام جاری کر دیئے کہ وہ اردن کے جنگاموں میں عملاً کئی حصہ لے لے گویا پہلے فدائین سے فوجی تعاون کا وعدہ کر کے انہیں آسمان پر اٹھا دیا اور پھر جب وقت آیا تو دست نعاون کو پھینک دیا۔
۴۔ بحوالہ فلسطین بیروت شمارہ اکتوبر ۱۹۶۰ء۔

چھاپیں کہ اس جنگ میں ۲۵ ہزار افراد مارے گئے ہیں۔ خود باس عرفات نے قاہرہ کانفرنس میں یہ بتایا کہ ۲۵ ہزار آدمی مارے گئے ہیں۔ حالانکہ اسی کانفرنس میں شاہ حسین نے بیان کیا کہ مقتولین کی تعداد ۳ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ پھر فرانس کے وزیر خارجہ باجی ادغم کی قیادت میں عرب سربراہوں کی طرف سے جو تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی گئی تھی اُس نے اردن کا دورہ کرنے کے بعد یہ رپورٹ دی کہ مقتولین کی تعداد ۴۲ سو اور مجروحین کی ۲ ہزار ۳ سو تھی۔

اس خانہ جنگی سے صرف اسرائیل کو فائدہ پہنچا ہے۔ امریکہ، روس اور برطانیہ کی یہ سازش کہ ایک کٹھ پتلی فلسطینی ریاست وجود میں لائی جائے شاہ حسین کی جرات اور قاہرہ کانفرنس میں غیر سوشلسٹ حکومتوں کے نمائندوں کی حکمت عملی کی وجہ سے اس مرحلہ میں وجود میں آنے سے رک گئی ہے۔ مگر اس کے امکانات ابھی پوری قوت اور شدت کے ساتھ موجود ہیں۔ اسرائیل کو اس جنگ سے جو فائدہ پہنچا ہے وہ اُس کی توقع سے بھی بڑھ کر ہے۔ فرانس کے مشہور روزنامہ فیکا رو کے سیاسی مقالہ نگار، رینے بادوک نے، ۱۹ ستمبر ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں اس پر جو تبصرہ کیا ہے وہ ملاحظہ کیجیے:

”یہ ماننا پڑے گا کہ پچھلے چند ہفتوں سے گوڈامائر کو خود عربوں کی طرف سے بھاری بھارے حملے ملی ہے۔ مہر نے جنگ بندی کے معاہدے کی جو بار بار خلاف ورزی کی، فدا سین نے طیاروں کو اغوا کر کے جس فضائی تفراتی کا ثبوت دیا اور اردن کے اندر جو خانہ جنگی ہوئی، یہ سب باتیں اسرائیل کی وزیر اعظم کو تقویت پہنچا رہی ہیں۔ گوڈامائر اب دستِ شکن میں اپنے موقف کو زیادہ قوت کے ساتھ پیش کر سکتی ہے اور وائٹ ہاؤس سے دو باتیں باآسانی منوائی جاسکتی ہیں۔ ایک ۹۰ کروڑ ڈالر کا قرضہ۔ دوسرے راجز پلان اور سلامتی کونسل کی قرارداد میں یہ تبدیلی کہ جولان کی پہاڑیوں اور تیران پر اسرائیل کا قبضہ رہے اور دریائے اردن کے مغربی کنارے اور سینا کو غیر مسلح علاقے قرار دے دیا جائے۔“

اس المیہ کے اندر مصر کا موقف عجیب و غریب رہا ہے۔ خانہ جنگی کے آغاز سے پہلے تک شاہ حسین کو

جمال عبدالناصر کی پوری پوری حمایت حاصل تھی۔ راجرز پلان کو تسلیم کر لینے کے بعد جمال عبدالناصر کی پوزیشن عرب ممالک میں سخت مجروح ہو گئی تھی اور راقم الحروف نے اپنے کانوں سے ان فلسطینیوں کی زبان سے جمال عبدالناصر کے حق میں ناویبا کلمات سُنے ہیں جو ۵ سال سے ناصر صاحب کی حمد کی تسبیح پڑھ رہے تھے مگر اس کے باوجود ناصر صاحب اور شاہ حسین کے تعلقات میں کوئی فرق نہ آیا۔ اردن کی خانہ جنگی کے آغاز میں ناصر نے شاہ حسین کی حمایت کا اعلان کیا تھا اور فوجی امداد تک دینے کا وعدہ کر دیا تھا۔ مگر جب خدائیں اور اردنی فوج کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور اخبارات اور ریڈیو اسٹیشنوں سے مبالغہ آمیز خبریں نشر ہوئیں تو ناصر صاحب کی طرف سے شاہ حسین کو مذمت کا برقیہ بھیجا گیا۔ اور دونوں کے درمیان یکجہاؤ قاہرہ کانفرنس تک قائم رہا۔ ناصر صاحب اس بات پر بھی آمادہ تھے کہ ایک ادھوری فلسطینی ریاست کی تشکیل عمل میں لائی جائے۔ چنانچہ ناصر صاحب نے ایک مرتبہ یاسر عرفات سے دریافت کیا تھا کہ "فلسطین کی آزادی کے لیے کتنی مدت درکار ہے؟" یاسر نے جواب دیا کہ "حقیقت پسندانہ جواب یہ ہے کہ کم از کم بیس سال فلسطین کی آزادی کے لیے درکار ہیں" اس پر ناصر صاحب نے انہیں کہا کہ "تمہاری کیا رائے ہے اگر میں تمہیں بیس روز کے اندر آدھا فلسطین دوں اور دوں؟ نصف فلسطین پر مشتمل فلسطینی ریاست وجود میں لانے کی یہ وہی اسکیم ہے جو امریکہ اور روس تجویز کر چکے ہیں اور اردن کا مغربی کنارہ، شمالی اردن کا کچھ علاقہ اور شام کا کچھ حصہ اس کے لیے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔"

عراق اردن کا شدید مخالف رہا ہے۔ عراق نے فوراً اعلان کیا کہ عراقی فوجیں خدائیں کے تصرف میں لے دی جائیں گی۔ مگر اس اعلان کو عراق نے عملی جامہ نہیں پہنایا۔ عراق کا یہ رویہ بلاشبہ انتہائی معنی خیز ہے لیکن جو شخص عراق کی موجودہ سیاست پر گہری نظر رکھتا ہے اُس کے لیے اس صورت حال کو سمجھنا دشوار نہیں ہے۔ عراق کی حکمران بعث پارٹی جو بعثت کی بین العرب کمانڈ کی حامی ہے اور مشہور عیسائی لیڈر میشل عفلق کی رہنمائی میں چل رہی ہے ایک طرف انٹراکٹیت کی علمبردار ہے اور دوسری طرف وہ انگریزی سامراج کے ساتھ گہرا رشتہ ناطہ رکھتی ہے۔ خود مصری سربراہ جمال عبدالناصر نے عراقی بعث پارٹی کے بارے میں جو رائے قائم کی ہے وہ

لے الجدید، بیروت، شمارہ ۲۰، اکتوبر ۱۹۷۰ء

یہ ہے :

مصری سربراہ جمال عبدالناصر نے عراق کی حکمران بعث پارٹی پر بھی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ قاہرہ کے پاس ایسے نچتر ثبوت موجود ہیں کہ عراق کے بعثی لیڈروں نے جو موقف اختیار کر رکھا ہے اُس کے پس پردہ بین الاقوامی امپیرلزم کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ اور بین الاقوامی امپیرلزم نے عراق کے ذریعہ سے مسائل پیدا کر دیئے ہیں جن کا ہماری موجودہ جنگ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ امپیرلزم بعثیوں کے اس موقف سے فوجی، سیاسی اور اقتصادی فوائد حاصل کر رہا ہے؟

صدر ناصر نے مشرقی محاذ پر عراقی فوجوں کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ عراقی فوجوں کی وطنیت پسندی میں کوئی شبہ نہیں ہے مگر عراقی رہنما نہیں چاہتے کہ یہ فوج کوئی مؤثر کردار ادا کرے۔ صدر ناصر نے ان اختلافات کے بارے میں جو عراق کے اندر مختلف عناصر کے مابین جاری ہیں بتایا کہ بعث پارٹی نے مصنوعی طور پر اختلافات پیدا کر رکھے ہیں۔ ان اختلافات کا تعلق بنیادی مسائل سے بالکل نہیں ہے بلکہ بعثی لیڈر ضمنی مسائل چھیڑ کر عراقی فوج کے مشکوک موقف پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

لے یہ اقتباس جمال عبدالناصر کی اس تقریر میں سے لیا گیا ہے جو انہوں نے سوڈان کے وکلاء اور بچوں پر مشتمل ایک وفد کے سامنے قاہرہ میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو الابرار ۱۸ ستمبر ۱۹۷۰ء۔ لے ایضاً

﴿بفتیہ اشارات﴾

مولانا مخرم کو سرپرستی کے مقام پر فائز کرنے اور ان کی جگہ زندگی سے بھرپور کسی نئی امانت کو سامنے لانے میں جس قسم کے غلط تاثرات شامل ہیں ان کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ امریکہ میں کینیڈی کی کامیابی کی وجہ ٹیلیوژن پر اس کے حسن اور تو انائی کی نمائش تھی۔ اول تو یہ بات ہی غلط ہے۔ اگر انتخابات میں کامیابی کا راز صرف اس بات میں مضمر نہ بنا تو پھر دنیا کی زمام کار ادا کاروں کے ہاتھ میں